حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

ہمارا مقصدِ حیات قرآنِ مجید میں یوں ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذریات: ۵۶)

(اور میں نے جن اور انسان کو بنایا ہے تو صرف اپنی بندگی کے لیے)

جبکہ ہمارے معاشرہ میں ہر طرح کا فساد موجود ہے۔ جو صالح عنصر اس معاشرہ میں موجود ہے وہ مغلوب ہے اور جو غیر صالح ہے وہ غالب ہے اور اسی عنصر نے اللہ کی حاکمیت کو بھی غصب کر رکھا ہے۔ جو شریعت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمائی تھی اس کو معطل کر کے اُس کی جگہ کچھ یورپ کے اور کچھ اپنے وضع کیے ہوئے قوانین کی مدد سے ایک غیر اسلامی نظامِ حکومت قائم کیا ہوا ہے اگرچہ اس میں چند اسلامی قوانین بھی اب شامل کر لیے گئے ہیں۔

اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مسلم کسی ایسے نظام کو عملاً برداشت کر سکتا ہے جس میں حاکمیت غیر اللہ کی ہو قوانین غیر اللہ کے ہوں۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۔

تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں اُن کے ہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

(اور جو کوئی اسلام کے سوا اور دین چاہے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔)

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں ہمارے لیے کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ ہم ایک باطل نظام کا اتباع کرتے رہیں جس میں چند اسلامی قوانین کی بھی آمیزش کر دی گئی ہے، تاکہ اسلام پسند عناصر کا منہ بند کیا جا سکے۔ اور اگر ہم اس جزوی اسلام کو قبول کر لیتے ہیں جو صرف چند قوانین کی شکل میں ہے تو کیا ہمارا معاملہ یہود جیسا نہ ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

(کیا تم کتاب کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصّہ کا انکار کرتے ہو۔)

لہٰذا ان ساری باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم چند ساتھیوں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ہم اس جزوی شریعت کو ہرگز قبول نہ کریں گے، کیونکہ غیر اللہ کی حاکمیت ہی فساد فی الارض کا باعث ہے، بلکہ ہم ایک بستی بسائیں گے جس کے مکین ابتداءً ہم چند ساتھی اور اُن کے کنبے ہوں گے اپنے میں سے ایک شخص کو جو دین کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو اولی الامر مقرّر کریں اور شوریٰ کا نظام قائم کریں اور ہر شعبے میں صرف اور صرف اللہ ہی کے بندے بن کر رہیں۔ یہ اولی الامر اس عہد کے ساتھ امارات کی ذمّے داری لے کہ جیسے ہی اس سے بہتر اور دین کا زیادہ علم اور بصیرت رکھنے والا شخص اس معاشرے یا بستی کا حصّہ بنے تو امارات کی ذمّہ داریوں کا بوجھ شوریٰ کے فیصلے سے اس پر ڈال دیا جائے تاکہ قیادت کی ذمّہ داری ہمیشہ سب سے زیادہ صاحبِ علم و فراست کے کندھوں پر رہے۔

اس بستی کا اپنا دارالمال ہو اور اس کی اپنی آزادانہ معیشت ہو۔ یہ ہر مکین کی کفالت کی ذمّہ دار ہو... اس کے بسنے والے کسی طاغوتی عدالت کی طرف رجوع نہ کریں، بلکہ اپنے فیصلے طلب امورِ قرآن اور سُنّت کے مطابق طے کریں، اور اگر کوئی باہر کا شخص اُنہیں کسی مقدمے میں گھسیٹ لے تو بھی وہ موجودہ طاغوتی عدالتوں کی نفی کریں چاہے اُنہیں توہین عدالت میں سزا ہی کیوں نہ بھگتنی پڑے۔ زمین پر مکمّل طور پر اللہ کے دین کو بالفعل قائم اور نافذ کرنا ایک آخری غایت اور ہدف ہے جہاں تک پہنچنے کی مسلسل کوشش اس اُمّت کی منصبی ذمّہ داری اور ہم میں سے ہر ایک کی محبوب آرزو بھی ہے مگر وہاں پہ پہنچ جانا ہم پر واجب ہرگز نہیں ہے جو واجب ہے وہ یہ کہ

اس ہدف کی طرف جتنے قدم آگے بڑھ سکتے ہیں اتنے قدم بڑھتے چلے جائیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہماری توانائیاں ایک اعلیٰ اخلاقی روحانی اور جسمانی تربیت میں صرف ہوں ہم منظّم ہوں اور پھر دوسروں کو بھی اس مثالی معاشرت کا حصّہ بننے کی دعوت دیں۔

اب اگر اس راستے میں حکومت یا اس کے ذیلی ادارے کی طرف سے مصائب کا سامنا کرنا پڑے تو صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور ابتداءً کسی قسم کی جوابی کارروائی کے بارے میں سوچا بھی نہ جائے، بلکہ اُس کو آزمائش اور تربیت کا ایک مرحلہ سمجھا جائے اور فیصلہ اللہ ہی کی ذات پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ دُنیا کی زندگی اور اس کی آسائش اور تکلیفیں، کامیابیاں اور ناکامیاں ہی فیصلہ کُن نہیں ہوتیں۔ نُصرت صرف ظاہری غلبہ کا نام نہیں، بلکہ عنداللہ اصل وزن صحیح عقیدے اور ایمان کا ہے۔

اس سارے کام کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی اور اپنے آپ کو مکمّل طور پر اس کی بندگی میں دے دینا ہے۔

ایک صاحبِ ایمان (——) کے قریب اپنے گاؤں سے متصل وسیع اراضی اس مقصد کے لیے ہبہ کرنا چاہتے ہیں جو کہ قابل کاشت بھی ہے اور اس میں رہائش بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔

○

الجواب باسم ملہم الصواب حامداً و مصلیاً

جو تجویز سائل نے سامنے رکھی ہے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا دین کے تمام شعبوں کو جاری و نافذ کرنے کے لیے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسّلام یا سلف صالحین یا اور بعد کے ادوار کے اہلِ حق میں سے کسی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کسی ایسے ملک میں جہاں غیر شرعی نظام نافذ ہو اسی ملک کے ایک حصّے میں جو ہر طرح سے غیر شرعی نظامِ حکومت کا پابند ہو ایسا معاشرہ قائم کر دیں جہاں اپنی امارت و حکومت ہو یا بالفاظ دیگر ریاست در ریاست ہو؟

تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہمیں اپنے تتبع و تلاش کے مطابق تو ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ہمیں فقط دو ہی صورتیں ملتی ہیں ایک تو یہ کہ اسی معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے اصلاح کی کوشش کی گئی، دوسری یہ کہ اس حکومت و نظام والے علاقے سے نکل کر کسی آزاد اور موافق علاقے میں جا کر

اپنی حکومت قائم کی اور پھر کام کو اور علاقوں تک بڑھایا۔

اوّل الذکر طریقے میں ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی مثال ملتی ہے کہ آپ نے اپنی قوم کی اسی معاشرے میں رہتے ہُوئے اصلاح کی کوشش فرمائی۔ پھر حضرت مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ کی مثال ملتی ہے جن کے پاس اپنے متبعین کی کوئی کمی نہ تھی، لیکن اُنہوں نے اسی معاشرے میں رہتے ہُوئے اصلاح کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے حالات تبدیل بھی کر دیے۔ ان سے پیشتر زید شہید رحمہ اللہ وغیرہ کی مسلح اصلاحی تحریکیں بھی برپا ہُوئیں اور اُنہوں نے حکومت وقت سے میدانِ جنگ میں جاکر ٹکر لی، لیکن اسی معاشرے میں رہتے ہُوئے اپنا کام کیا۔ ان سب مثالوں میں ہمیں ایک بات مشترک نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ ان حضرات نے اسی ملک و نظام کے اندر کوئی دوسرا نظام قائم کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔

ثانی الذکر میں ہمیں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم، حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اُن کے بعد سیّد احمد شہید رحمہ اللہ کی مثالیں ملتی ہیں۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اوّلاً مکہ مکرمہ میں تبلیغ فرمائی اور حکومت قائم ہُوئی تو مدینہ منوّرہ میں جہاں پہلے سے کوئی اور نظامِ حکومت موجود نہ تھا، بلکہ عبداللہ بن ابی کو حاکم بنانے کا منصوبہ تھا۔ اس وقت تک ایک قبائلی نظام تھا۔ اَوس و خزرج قبیلوں نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں کی حکومت کی راہ بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بھی اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنے کی سعی فرمائی۔ سیّد احمد شہید رحمہ اللہ نے تحریک جہاد شروع کی تو آزاد قبائلی علاقے سے شروع کی۔ کچھ قبائلی ہمنوا ہُوئے تو اسلامی حکومت قائم کر دی اور جہاد کے سلسلے کو شروع کیا۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ کوئی نظام قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس علاقے میں پہلے سے کوئی دوسرا نظام یا تو موجود نہ ہو یا موجود ہو تو مغلوب و مقہور ہو چکا ہو کیونکہ نظام قائم کرنے کے لیے قوّت نافذہ کی ضرورت ہوگی اور کسی حاکم کے پاس کسی علاقے میں قوّت نافذہ اسی وقت موجود سمجھی جاتی ہے جبکہ اس علاقے میں کسی اور کے پاس اس کے مساوی یا اس سے فائق قوّت نہ ہو۔ اس کی وضاحت میں ہم کہتے ہیں کہ ایک معاشرہ کے اندر اختلافات پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ صحابہ کے دَور میں بھی ایسا ہُوا اور تابعین کے دَور میں بھی ایسا ہُوا اگرچہ نیک لوگوں میں اختلافات کا باعث غلط فہمی یا قیاس فاسد ہی ہوا اور ہمارے دَور میں تو سب سے بڑا سبب نفس پرستی ہے۔ اس نفس پرستی کے دَور میں کسی قوّت کے بغیر

ایک فریق کو مروجہ عدالتوں میں جانے سے کیسے روکا جاسکے گا اور اپنے امیر کے تمام فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے پر کیونکر مجبور کیا جاسکے گا؟ پھر حکومت جو مختلف قسم کے ٹیکس ضرورت سے زائد وصول کرتی ہے کیا وہ ادا نہیں کریں گے؟

حاصل یہ ہے کہ مذکورہ تجویز تاریخی اور سیاسی اعتبار سے صحیح نہیں ہے بلکہ دینی اعتبار سے بھی نقصان دہ ہے

اس کے بعد ہم چند اہم اُمور پر تنبیہہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔

① ایک حکومت کے تحت رہنا اور چیز ہے اور اس کے نظام کو قبول کرنا اور چیز ہے کسی حکومت کے تحت رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے نظام کو بھی قبول کیا ہُوا ہے۔ مثلاً موجودہ حکومت کے تحت رہتے ہُوئے ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے معاملات شریعت کے مطابق چلائیں۔ اس میں ہمیں ایثار و قربانی سے کام لینا پڑے تو گریز نہ کریں۔ مثلاً یہ کہ کسی سودی معاملہ میں شریک نہ ہوں، سود نہ لیں، حرام طریقے سے کمائی حاصل نہ کریں کسی کا حق نہ دبائیں کسی پر ظلم نہ کریں، کوئی ہم پر ظلم کرے اور ہمارا حق مارے تو اگر شرعی طریقوں سے حق وصول نہ ہو سکتا ہو تو اپنے حق کو قربان کر دیں۔ زیادہ منافع حاصل کرنے کے لیے رشوت دینی پڑتی ہے تو کم آمدنی پر گزارہ کرلیں۔ اچھے معیارِ زندگی کو چھوڑ کر کم معیار زندگی کو ترجیح دیں۔ دیگر معاصی سے بچیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنی امکان بھر کوشش کریں کہ اصلاح احوال ہو سکے اس میں اختلاف ہو سکتا ہے کہ اصلاح کے لیے کیا طریق اختیار کیا جائے، لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ شرعی اُصولوں اور سُنّت کے مطابق ہو اور یہ بھی ہر شخص کے زعم کے مطابق نہیں بلکہ اہل حق مستند علماء اس پر صاد کرتے ہوں۔

② تجویز کے لیے جو دلائل پیش کیے گئے ہیں اور جو طرزِ استدلال اختیار کیا گیا ہے، ان سے ایک مخصوص اور حق سے ہٹے ہُوئے طرزِ فکر کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس طرزِ فکر کا حاصل یہ ہے کہ جب تک حکومتِ الٰہیہ یا اسلامی قوانین نافذ نہ ہوں اس وقت تک ایک شخص کو نہ دین حاصل ہے اور نہ ہی وہ عبادت ـــــ "اصلی حقیقی اور عظیم عبادت" ـــــ پر کاربند ہے۔ گویا دین اور عبادت کا وجود و ثبوت اس طرزِ فکر کے مطابق حکومتِ الٰہیہ پر موقوف ہوتا ہے۔ آج کل کے متجددین کا

یہی طرزِ فکر ہے، لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہ راہِ حق سے ہٹا ہُوا طرزِ فکر ہے اور اس کی بُنیاد بہت کچھ تفسیر بالرائے پر رکھی گئی ہے۔ اس پر ہم نے تفصیل سے اپنی کتاب

"ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات تنقید کی میزان میں"

(مطبوعہ مکتبہ مدنیہ اُردو بازار لاہور)

میں کلام کیا ہے۔ اس کا مطالعہ کر لیا جائے۔

(۳) البتّہ اس حد تک ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ جو صحیح عقائد رکھتے ہوں اور اعمال میں اُن کو خُوب رغبت ہو، وہ لوگ ایک جگہ پر اکٹھے رہیں اور اس طریقے سے اپنی نسل کی صحیح تربیت کے لیے بہتر ماحول فراہم کریں، لیکن صحیح تربیت بھی اہلِ حق مستند اور متدین علماء کی رہنمائی ہی میں ہو سکتی ہے۔ متجددین کے افکار تو اُنہیں گمراہی کے راستے پر ہی ڈالیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

○

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی و قرأت سبعہ و عشرہ اور راویت حفص نیز فارغینِ طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستار بندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجودہ مکمّل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بروقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔

○

نیز شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا السیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ متوسلین اور تلامذہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مکمّل تعارف کے ساتھ اپنے مکمّل پتے ہمیں ارسال فرمائیں اگر آپ کا فون ہو تو اس کا نمبر بھی تحریر فرمائیں۔